قرآن کی بعض صفات

نعیم الدین اصلاحی

(قسط ۱)

قرآن کیا ہے ؟ یہ سوال سامنے آتے ہی ذہن میں کچھ اور سوالات ابھرتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہم کو بے جان مادے سے کس نے پیدا کیا ؟ پیٹ کے تین اندھیروں کے بیچ میں کس نے ماں کے خون کو غذا کی شکل میں بدلا ؟ کس نے ان تہ بہ تہ پردوں کے اندر ہوا پہنچائی ؟ کون ہے جو دنیا میں آنے سے پہلے ماں کی چھاتی میں دودھ اتارتا ہے ؟ کون ہے جو ماں باپ اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں محبت بھرتا ہے ؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو گوشت کے لوتھڑے کو کون اٹھاتا ؟ کس نے ماں کے دل میں ہمارے لیے محبت بھر دی کہ نو ماہ تک وہ ہمیں پیٹ میں لیے پھری ؟ پھر جان پر کھیل کر ہمیں جنم دیا اور اپنے تمام آرام و آرائش کو تج کر دو سال تک اپنی گود میں لیے پھری اور اپنے سینے سے چمٹائے رکھا ؟ پھر یہ زمین و آسمان کس لیے سرگرم عمل ہیں ؟ چاند اتنی باقاعدگی کے ساتھ اپنی ٹھنڈی روشنی کیوں بکھیرتا ہے ؟ یہ سورج اپنی سرگرمیوں کے ساتھ کیوں نکلتا اور ڈوبتا ہے ؟ یہ ستارے آسمانی دریا میں کیوں تیرتے ہیں ؟ یہ سمندروں کا پانی بھاپ کی شکل میں کس کے حکم سے تبدیل ہوتا ہے ؟ پھر یہ بادلوں کی شکل کیوں اختیار کرتا ہے ؟ یہ ہوائیں بادلوں کو اپنے کاندھے پر اٹھائے کیوں فضا میں پھرتی ہیں ؟ یہ زمین اپنے تمام خزانے کس لیے اگلتی ہے ؟ یہ ہماری سوکھی کھیتیوں پر بادلوں کے ذریعہ امرت کون برساتا ہے ؟

کیا یہ سب ہمارے اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے نہیں ہو رہا ہے اور کیا یہ سب بکھری ہوئی ان گنت نشانیاں اس بات کی گواہی نہیں دیتیں کہ خدا اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے' پھر اگر مہربان ہے جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے ------ تو پھر اس معاملے پر غور کیجیے کہ انسانی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کے لیے تو اس نے اتنا اہتمام کیا' تو کیا اس حقیقی انسان کو باقی رکھنے کے لیے' جو اس جسمانی خول کے اندر ہے 'کوئی انتظام نہیں کرے گا ؟ نہیں' یہ اس کی رحمت کے خلاف ہے۔ وہ

انسانی زندگی کو یوں ہی بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دے گا۔ اس نے روحانیت کی کھیتی کو سیراب کرنے کے لیے ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا۔ اسی انتظام کا نام قرآن ہے جو براہِ راست اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔ فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (سورۃ الرحمٰن ۵۵: ۱-۴)

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو وجود بخشا، پھر اس کو قوت گویائی عطا کی۔

قرآن کا معنی اور اس کے تقاضے

قرآن کے معنی ہیں بار بار پڑھنا، کثرت سے پڑھنا اور اس کتاب کا نام قرآن رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ پھر پڑھنا بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آدمی چپ چاپ پڑھے، تو ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ بھی اپنے ہی کو پہنچتا ہے۔ دوسرا پڑھنا یہ ہے کہ دوسروں کو سنائے۔ قرآن میں پڑھنا دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی خود بھی پڑھے اور سمجھے اور دوسروں کو بھی پڑھ کر سنائے اور اس کے معنی سمجھائے۔ بلکہ قرآن میں پڑھنے کا لفظ زیادہ تر دوسرے معنی ہی میں استعمال ہوا ہے لہٰذا جو لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ان کی اولین ذمہ داری ہے کہ قرآنِ مجید کو غور و فکر کے ساتھ پڑھیں، سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، اس کی تعلیمات کی طرف بلائیں اور جو لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں انھیں دنیا اور آخرت کی کامیابی کی خوشخبری سنائیں اور جو لوگ اس کتاب سے بھاگیں، اعراض کریں، انھیں دنیا اور آخرت کی تباہی اور بربادی کے خطرے سے آگاہ کریں۔

قرآنِ مجید جہاں پر اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسے خود پڑھیں اور اس کے معنی و مطلب کو سمجھیں وہیں انھیں اس بات کی تاکید بھی کرتا ہے کہ انھوں نے جو کچھ پڑھا، سمجھا اور سیکھا ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں اسے پڑھ کر سنائیں اس کا مطلب سمجھائیں، اپنی زبان سے بھی سمجھائیں اور اپنی پاکیزہ زندگی، صاف ستھرے اخلاق اور عمدہ سیرت و کردار کے ذریعہ بھی اس کتاب کے قرآن ہونے کی گواہی دیں۔

یہ ذمہ داری صرف صحابہ کرامؓ ہی کی نہیں تھی بلکہ ان تمام لوگوں کی بھی ہے جن تک یہ کتاب پہنچے۔ سورہ یوسف کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (سورۃ یوسف ۱۲: ۱۰۸)

تم میری بات سنو، مانو یا نہ مانو، میرا راستہ یہی ہے۔ اسی توحید کے راستے پر ہمیں چلنا

ہے۔ میں اور میری پیروی کرنے والے پوری بصیرت اور روشنی میں دعوت حق دیتے رہیں گے۔

سورۃ انعام آیت ۱۹ میں نبیؐ کی زبان سے یہ اعلان کروایا گیا ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ

یہ قرآن وحی کے ذریعہ سے میرے پاس آیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو صاف صاف آگاہ کروں اس خطرے سے جس کی زد میں تم انکار کی وجہ سے آگئے۔ میں بھی تمھیں آگاہ کروں اور وہ لوگ بھی جن تک یہ قرآن پہنچے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم یہ ہوا کہ قرآن کی دعوت و تبلیغ ان تمام لوگوں پر فرض ہے جن تک وہ پہنچے اور جو اس کا اتباع کریں۔ ایک اور جگہ یہ الفاظ آتے ہیں:

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (النمل ۲۷: ۹۲)

یعنی میرے رب نے مجھے صرف اپنی بندگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا لفظ یہاں پر "لوگوں کو سنانے" یعنی دعوت و تبلیغ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پھر سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ قرآن کی تبلیغ کی فرضیت ساری امت پر ان آیتوں میں بیان ہوئی ہے جو سورہ قصص کے آخر میں آئی ہیں۔ شروع میں تو خطاب صرف پیغمبرؐ سے ہے لیکن بات ختم ہوتے ہوئے تمام مومنین کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ۞ وَلَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۞ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ (قصص ۲۸: ۸۵-۸۸)

بے شک جس نے تم پر قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ تمھیں ایک اچھے انجام تک ضرور پہنچا کے رہے گا۔ کہہ دو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

تم تو متوقع نہ تھے کہ تم پر کتاب اتاری جائے یہ تو بس تمہارے رب کا فضل ہوا ہے اور تم ان کافروں کے پشت پناہ نہ بنو اور یہ تم کو اللہ کی آیات سے روکنے نہ پائیں جبکہ

> وہ تمہاری طرف اتاری جاچکی ہیں۔ اور تم اپنے رب کی دعوت دو اور مشرکوں میں سے نہ ہو اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ فیصلہ صرف اسی کے اختیار میں ہے۔ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ان آیات میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ذریعہ تمام لوگوں سے کہا جارہا ہے کہ تم لوگ اپنا فرض انجام دو، باطل پرستوں کی قوت وشوکت کی وجہ سے یہ کام بند نہ کرو، نہ اس میں کتربیونت کرو، بغیر کسی مداخلت کے یہ کام جاری رہنا چاہیے اور خدا پر بھروسہ کرو، وہ دائمی سہارا ہے۔ اسے فنا اور زوال نہیں۔ یہ قرآن تو کامیابی کی کنجی ہے۔ اسے اس لیے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا گیا کہ تمہارے حصہ میں نحوست و ناکامی آئے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی (طہ ۲۰ : ۲)

اور ایک دوسری جگہ فرمایا ہے :

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۹)

یعنی یہ کتاب —— قرآن —— زندگی گزارنے کے ایسے اصول اور قوانین بتاتی ہے جو نہایت موزوں ہیں۔ یہ کتاب ایسا جامہ فراہم کرتی ہے جو انسانیت کے جسم پر پوری طرح فٹ آتا ہے، انسانیت کی نشوونما اور ترقی کی راہ میں یہ اصول قطعاً" رکاوٹ نہیں ڈالتے پھر اسی سورہ میں آگے چل کر وہ اصول زندگی اور ضابطۂ حیات بتائے گئے ہیں جو سارے انسانوں کے لیے ہر زمانے میں نہایت مناسب رہے ہیں۔ پھر انہی اصولوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں نے ایک مضبوط، منظم اور نہایت ترقی یافتہ سلطنت چلا کر انسانوں پر حجت تمام کردی۔

اب جو لوگ اُس کتاب پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں اور وہ اپنے دعوے میں سچے بھی ہیں ان پر فرض ہے کہ قرآن کے اصولوں کے علاوہ دوسرے تمام گھڑے ہوئے اصولوں کا انکار کریں اگر وہ قرآن کو خدائی دستور مانتے ہیں تو شرافت اور دیانت کا یہ تقاضا ہے کہ باطل نظام کو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے غذا نہ پہنچائیں۔ اگر انہیں ذرہ برابر بھی علم ہو اور خوف خدا ہو تو ان کا فرض ہے کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی ایسا دستور نہ چلائیں جو خدا اور اس کے رسول کی ہدایت سے بے نیاز اور کتاب و سنت کو نظر انداز کرکے بنایا گیا ہو۔

قرآن مجید میں ایک جگہ اس مقدمے کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو حضورؐ قیامت کے دن خدا کی عدالت میں دائر کریں گے، "اے میرے رب ان لوگوں کے اندر تو نے مجھے قرآنِ پاک دیکر بھیجا

تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جیسا کوئی شخص گری پڑی ردی چیز کے ساتھ کرتا ہے۔"

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۝ (سورۃ الفرقان ۲۵ : ۳۰)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وذالک ان المشرکین کانوا لا یصغون للقران ولا یستمعونہ کما قال تعالٰی "وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القران والغوا فیہ" الایۃ، فکانوا اذا یتلی علیھم القران اکثروا اللغط والکلام فی غیرہ حتی لا یسمعونہ فھذا من ھجرانہ وترک تدبرہ وتفھمہ من ھجرانہ وترک العمل بہ۔ وترک تصدیقہ من ھجرانہ وامتثال اوامرہ واجتناب زواجرہ من ھجرانہ والعدول عنہ الی غیرہ من شعر او قول او غناء او لھو او کلام او طریقۃ ماخوذۃ من غیرہ من ھجرانہ۔

مشرکین کی طرف سے قرآن کا چھوڑنا یہ تھا کہ ان کے سامنے جب قرآن کا پیغام پیش کیا جاتا ہو تو شور و ہنگامہ مچاتے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے اور کسی طرح بھی سننے کے روادار نہ تھے (لیکن قرآن مجید کا چھوڑنا صرف اسی قدر نہیں) بلکہ قرآن کا چھوڑنا یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لایا جائے اور اس کی تصدیق نہ کی جائے اور اس پر غور و فکر نہ کیا جائے، اس پر عمل نہ ہو، اس کے احکام کی پیروی نہ ہو، جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے بچنے کی کوشش نہ کی جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کو نظر انداز کر کے شعر و شاعری، لوگوں کے خیالات، گیت، گانے، بیہودہ باتیں اور لہو ولعب اور اس طریقہ زندگی کی پیروی کی جائے جو اسے نظر انداز کر کے بنایا گیا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳)

اسی طرح سورۃ مائدہ میں فرمایا۔

اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ (۵ : ۵۰)

اگر یہ خدا کے قانون سے روگردانی کرتے ہیں تو پھر کیا جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر علامہ ابن کثیرؒ نے اس طرح فرمائی ہے:

ينكر تعالى على من خرج عن حكم المحكم المشتمل على كل خير والناهي عن كل شر وعدل إلى ما سواه من الآراء والأهواء والاصطلاحات التي وضعها الرجال بلا سند من شريعته الله كما كان أهل الجاهلية يحكمون به من الضلالات والجهالات مما يصنعون بآرائهم وأهوائهم وكما يحكم التتار من السياسات الملكية المأخوذة عن ملكهم "چنگیز" الذي وضع لهم "الياسق" وهو عبادة عن كتاب مجموع من أحكام وقد اقتبسه من شرائع شتى من اليهودية والنصرانية والملة الإسلامية وغيرها وفيها كثير من الأحكام أخذها من مجرد نظره وهواه فصار في نبيه شرعا - وبعد قوله على الحكم بكتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن فعل ذلك منهم فهو كافر يجب عليه قتاله حتى يرجع إلى حكم الله ورسوله فلا يحكم سواه في قليل ولا كثير (ابن کثیر ج ۲، مکتبہ الریاض الحدیثہ)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اظہارِ نکیر کرتا ہے جو اس کتابِ ہدایت سے روگردانی کر کے انسان کے خود ساختہ نظریات و خیالات اور ان اصطلاحات کی آغوش میں چلے جائیں جن کی کتاب و سنت میں کوئی سند نہیں ہے۔ حالانکہ یہ کتابِ ہدایت خود تمام بھلائیوں کا خزانہ ہے اور انسانوں کو تمام برائیوں سے روکتی ہے۔

دورِ جاہلیت کے لوگوں کا یہی حال تھا کہ وہ ان جاہلیتوں اور گمراہیوں کے پیرو تھے جن کو انہوں نے اپنے جی سے گھڑ رکھا تھا۔ اور لگ بھگ یہی حال تاتاریوں کا بھی تھا کہ انہوں نے اپنی سلطنت کا نظامِ سیاست اپنے بادشاہ "چنگیزخان" کے اس دستور سے اخذ کیا تھا جس کو "یاسق" نے ان کے لیے وضع کیا تھا جو حقیقت میں یہودی، نصرانی اور اسلامی وغیرہ قوانین سے ماخوذ ایک مجموعۂ قانون تھا (گویا کہ وہ اس زمانے کا ایک سیکولر نظامِ زندگی تھا۔ نعیم) اور اس کے بیشتر احکام اس کے اپنے ذہن و فکر کی پیداوار تھے۔ یہ قانونِ زندگی اس قوم کے تمام ہی افراد کے نزدیک واجب العمل تھے اور ان کو قرآن و سنت پر بالاتری حاصل تھی۔ پس ان میں سے جو لوگ بھی یہ حرکت کریں ان سے قتال واجب ہے۔ یہاں تک کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع کریں اور ان دونوں کے علاوہ کسی بھی دستور اور نظامِ زندگی کو اپنے چھوٹے بڑے معاملات میں حکم نہ بنائیں۔

بقیہ بر صفحہ ۳۱